کتاب نما

تاریخِ علوم میں تہذیب اسلامی کا مقام: ڈاکٹر فواد سیزگن - ترجمہ: ڈاکٹر خورشید رضوی -
ناشر: ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد - صفحات: ۲۴۸ - قیمت: ۱۵۰ روپے -

بیسویں صدی کے بعض اہل مغرب نے تاریخ علوم میں مسلمانوں کی خدمات کا بہت حد تک اعتراف کیا ہے، مگر اس امر کی ضرورت باقی تھی کہ کوئی وسیع النظر اور صاحب بصیرت مسلمان عالم خالصتاً علمی اور غیر جذباتی انداز میں اہل اسلام کی ممتاز علمی خدمات کا تفصیلی جائزہ لے - اس کام کا بیڑا ترکی کے نامور عالم فواد سیزگن SEZGIN نے اٹھایا - ۲۵ ، ۳۰ برس کی محنت شاقہ کے بعد اب تک وہ "تاریخ التراث العربی" کے زیر عنوان نو ضخیم مجلدات تیار کر کے شائع کر چکے ہیں - ۱۹۷۹ میں ڈاکٹر فواد سیزگن کی علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر انھیں شاہ فیصل ایوارڈ دیا گیا اور انھوں نے حکومت سعودیہ کی دعوت پر ریاض جا کر تاریخ علوم عربیہ و اسلامیہ پر عربی میں ۱۳ لیکچر دیے جو بعد ازاں فرینکفرٹ سے شائع ہوئے - ان کا اردو ترجمہ ہمارے پیش نظر ہے -

ڈاکٹر فواد سیزگن نے پہلی مرتبہ خالص علمی انداز میں مختلف علوم میں مسلمانوں کی خدمات کا نہایت چھان پھٹک کے بعد جائزہ مرتب کیا ہے اور طب، کیمیا، ریاضیات، فلکیات اور آثار علویہ میں مسلمانوں کی نہایت قابل قدر خدمات کو آئینہ کرنے کے ساتھ ساتھ عربی اور اسلامی علوم کے یورپ کی تحریک احیا پر اثرات، کتاب الاغانی کے مآخذ، قدیم عربی شاعری --- حقیقت یا افسانہ، عربی و اسلامی علوم میں اسناد کی اہمیت اور اسلامی ثقافت میں جمود کے اسباب جیسے موضوعات سے بھی اعتنا کیا ہے - ان خطبات میں اجمالاً ہی سہی، انھوں نے بعض ایسے حقائق بیان کیے ہیں جنھیں ان کی "اولیات" قرار دیا جا سکتا ہے - مثلاً اکثر محققین کے علی الرغم ان کا موقف یہ ہے کہ اسلام میں فکری و علمی نتیجہ خیزی پہلی صدی ہجری ہی میں شروع ہو گئی تھی - اسی طرح انھوں نے اس خیال کی نفی کی ہے کہ تاریخ علوم میں یونانیوں کو اولیت حاصل ہے - ان کے خیال میں یونانیوں کا مقام تاریخ علوم کے وسط میں متعین ہوتا ہے نہ کہ اس کے آغاز میں -

ڈاکٹر سیزگن کے یہ خطبات اس اعتبار سے بھی بے حد چشم کشا ہیں کہ اس میں مسلمانوں کی دیگر اقوام سے فیض اندوزی کے ساتھ ساتھ بعض افراد و اقوام کی سرقہ شعاری کو بھی طشت ازبام کیا گیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ لاطینیوں نے مسلمانوں کے علوم سے استفادہ کیا مگر مسلمان علما کی کتب سے اخذ کردہ حقائق کو اپنی طرف منسوب کر لیا۔ حد یہ ہے کہ مسلمانوں کی پوری پوری کتب کو اپنی زبانوں میں ترجمہ کر کے انھیں ارسطو' اور جالینوس وغیرہ کی تصانیف مشہور کر دیا۔

ڈاکٹر خورشید رضوی نہ صرف ادبیات عربی کے فاضل ہیں بلکہ اردو کے بھی ممتاز ادیب ہیں اور ان دونوں زبانوں پر حاکمانہ قدرت رکھتے ہیں۔ ان جیسا عالم ہی ایک ایسی فکر افروز مگر مشکل کتاب کے ترجمے سے عہدہ برآ ہو سکتا تھا۔ انھوں نے اکثر و بیشتر نہایت رواں اور لائق مطالعہ ترجمہ کیا ہے مگر انھوں نے اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی التزام ہے کہ ترجمہ بہرحال ترجمہ نظر آئے۔ چنانچہ کتاب میں عربی اسلوب کی چھاپ کہیں کہیں قائم ہے۔ انھوں نے فواد سیزگن کے بعض نتائج تحقیق سے اختلاف کیا ہے۔ اس ضمن میں "آثار علویہ کی تاریخ میں مسلمانوں اور عربوں کا مقام" نامی مضمون پر ان کے حواشی لائق ملاحظہ ہیں جو ان کی وسعت نظر اور تعمق کی عمدہ مثال ہیں۔

یہ کتاب ہمیں ہمارے نہایت پرارزش فکری ورثے کا شعور بخشتی ہے اور ہمیں اس فخر سے ہم کنار کرتی ہے جو مستقبل کی جانب پر اعتماد پیش قدمی کے لیے ازبس ضروری ہوتا ہے۔ کاش ہمارے ارباب تعلیم اس زندہ اور یقین افروز کتاب کے بعض مضامین کو اپنے نصابات کا حصہ بنائیں۔ (ڈاکٹر تحسین فراقی)

رسول ؐ رحمت تلواروں کے سائے میں: حافظ محمد ادریس۔ ناشر: مکتبہ احیائے دین، منصورہ، لاہور۔ صفحات: ۳۴۴۔ قیمت: ۹۰ روپے۔

مصنف موصوف تحریک اسلامی کے ان معدودے چند راہ نماؤں میں شامل ہیں جن کے ہاں دینی و سیاسی اور دعوتی و تنظیمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی برابر جاری رہتا ہے۔ حافظ صاحب نے متعدد کتابیں تصنیف کرنے کے علاوہ بعض عربی کتابوں کے ترجمے بھی پیش کیے ہیں۔ اب کچھ عرصے سے ان کی توجہ سیرت طیبہ پر ہے۔ زیر نظر کتاب کا پہلا حصہ تقریباً ۲ برس قبل چھپا تھا، جس میں غزوہ بدر، احد اور متعدد چھوٹے چھوٹے غزوات اور سرایہ کے تفصیلی واقعات کے ساتھ ساتھ ان کے محرکات، پس منظر اور نتائج کو بھی بیان کیا گیا تھا۔ زیر نظر دوسری جلد میں غزوہ احزاب اور غزوہ بنو المصطلق کے علاوہ بئر معونہ، واقعہ رجیع، غزوہ ذات الرقاع، غزوہ دومتہ الجندل، غزوہ بدر ثانیہ،

واقعہ افک اور معجزات نبوی وغیرہ شامل ہیں۔

مصنف نے دقیق بحثوں اور روایتی واقعہ نگاری سے اجتناب کرتے ہوئے سیرت کے جہادی پہلو کو عام فہم مگر "جذبات و احساسات سے لبریز" انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا عبدالمالک نے اپنی مفصل "تقدیم" میں اسے ایسی کامیاب کوشش قرار دیا ہے جو "قاری کو بہت سی کتابوں سے بے نیاز کر دینے والی ہے"۔ پروفیسر آسی ضیائی نے مصنف کے وسیع تر دائرہ مآخذ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "اس سے جہاں مصنف موصوف کی محنت و کاوش کا پتا چلتا ہے' وہاں یہ چیز ان کے کثیر المطالعہ ہونے کا بھی ایک کھلا ثبوت ہے اور چونکہ مجھے بھی اس مسودے کو اول تا آخر پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے کا موقع ملا ہے اس لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ سیرت نبوی ؐ پر اس زاویے سے کام کرنے کی ضرورت کو انھوں نے بطرز احسن پورا کیا ہے"۔

حافظ صاحب کا انداز تحریر سلیس اور شگفتہ ہے۔ خدا کرے وہ اس سلسلے کی باقی تین جلدیں بھی تحریر و تیار اور شائع کرنے میں کامیاب ہوں۔ (ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)

مسئلہ کشمیر' پاک بھارت مذاکرات: ارشاد محمود۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز' مرکز ایف/۷ اسلام آباد۔ صفحات: ۱۳۸۔ قیمت: ۵۵ روپے۔

کشمیر کا مسئلہ تقسیم ہند کے موقع پر انگریزوں اور ہندوؤں کی ملی بھگت سے پیدا ہوا۔ انگریز اور ہندو دونوں مسلم دشمنی پر متفق تھے اور اسی لیے انتہائی غیر منصفانہ طریقے سے ریڈکلف ایوارڈ کے تحت مسلم اکثریت کے بعض علاقے ہندستان کے حوالے کر دیے گئے۔ پاکستان کو اپنے قیام کے فوراً بعد' اپنے سے کئی گنا بڑے اور طاقتور اور ایک معاند ملک سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ ہم بھارت سے تین جنگیں لڑ چکے ہیں اور بھارت کی معاندانہ روش کے پیش نظر' مستقلاً ایک غیر اعلان شدہ' حالت جنگ میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

زیر نظر کتاب میں مصنف نے قیام پاکستان سے لے کر آج تک کشمیر کے مسئلے پر پاک بھارت مذاکرات کی روداد بیان کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندستان نے ہمیشہ وعدہ خلافی کو اپنا شعار بنایا' بین الاقوامی سطح پر مسلسل جھوٹ بول کر چانکیہ سیاست پر عمل پیرا رہا اور اس طرح مسئلہ کشمیر کو مسلسل الجھاتا رہا۔

اس وقت کشمیر کی تحریک آزادی ایک فیصلہ کن موڑ پر پہنچ چکی ہے۔ اس مناسبت سے یہ کتاب غیر معمولی اہمیت اور افادیت کی حامل ہے۔ ایک طرف ہم اپنی قوم اور عالمی برادری کو اس حقیقت سے

آگاہ کر سکتے ہیں کہ کس طرح ہندستان مختلف حیلوں بہانوں سے اقوام متحدہ کی قراردادوں سے نہ صرف پہلوتہی کرتا رہا ہے بلکہ عملاً کھلم کھلا ان کی نفی کر رہا ہے۔اس کے ساتھ ہی یہ کتاب کشمیر کے معاملے میں ہمیں اپنی قومی پالیسی نئے سرے سے مرتب کرنے کی راہ سجھاتی ہے۔

مذاکرات کی اس کہانی سے یہ تلخ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بھارت نے مذاکرات کو ہمیشہ وقت گزاری اور اپنے اوپر دباؤ کم کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔اس نے مذاکرات کے موقعوں پر اپنے قومی مفادات کو مقدم رکھا اور اس سلسلے میں کسی دباؤ' مصلحت یا کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا۔اس کے برعکس پاکستان کی قیادت مذاکرات کی میز پر مصلحت کا شکار ہوتی رہی اور مغربی طاقتوں کے زیر اثر اپنے قومی مفادات کے خلاف فیصلے کرتی رہی ہے۔فیصلے کے وقت خدا کی ذات اور اپنے زور بازو کے بجائے مغرب پر تکیہ کیا گیا اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔اس سلسلے میں ہماری وزارت خارجہ کی کارکردگی ہمیشہ سے غیر تسلی بخش اور افسوس ناک رہی ہے۔کتاب میں مذاکرات کے مختلف ادوار کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ (پروفیسر رؤف احمد شاہ)

امریکہ میں یہودی تنظیمیں: لی او برائن۔ ترجمہ: نذیر حق۔ ناشر: ادارہ معارف اسلامی' منصورہ' لاہور۔ صفحات: ۲۶۰۔قیمت: درج نہیں۔

ہم آج کل ایسے دور سے گزر رہے ہیں کہ سکہ رائج الوقت' موافق مخالف سب کے لیے ' امریکہ ہی ہے' اس لیے اگر ادارہ معارف اسلامی نے ترجمہ اور اشاعت کے لیے اس ضخیم کتاب کا انتخاب کیا ہے تو تعجب نہ ہونا چاہیے---امریکہ کی نکیل 'کہا جاتا ہے' اور اس کتاب سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں کے ہاتھ میں ہے' جو امریکہ سے اسرائیلی مفادات کے حق میں پالیسیاں اختیار کرواتے ہیں (خواہ ان کی زد امریکہ پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو)۔

کتاب کے مطالعے کے دوران میرے دل میں یہودیوں کے لیے مذمت کے نہیں 'بلکہ تعریف اور واہ واہ کے جذبات ہی پیدا ہوئے جو اپنے مقصد کے لیے قطعی یکسو' سرگرم اور فعال ہیں۔اس کے برعکس مسلمان عام طور پر منتشر' غیر منظم اور اپنے مقاصد سے غافل ہیں حالانکہ نہ امریکہ میں موجود مسلمانوں کو' اور نہ پاکستان 'بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو کوئی اپنے مقاصد کے لیے اسی طرح منظم ہو کر کام کرنے سے منع کرتا ہے۔اس لیے اگر یہ کتاب اس کام آئے کہ پڑھنے والے عبرت پکڑیں' یہودیوں ہی سے کچھ سیکھیں اور کام پر لگ جائیں تو چنداں مضائقہ نہیں۔ایسے وقت میں کہ نئی صلیبی جنگ کا آغاز ہو چکا ہے' مغرب اور اسلام کے درمیان معرکے کے لیے اسٹیج تیار ہے 'بلکہ بپا ہے' ہر

مسلمان کے لیے جسے ملت کی بقا عزیز ہے' ناگزیر ہے کہ اپنا حصہ ادا کرے' اور صرف جان ہی نہیں' اپنا مال بھی پیش کرے۔ جس طرح امریکہ کے یہودی اسرائیل کے حوالے سے چوکنا رہتے ہیں' ہر طرف نظر رکھتے ہیں' مسلمان بھی اسلام کے معاملے میں بے حس' غیر جانبدار اور تماش بین نہ ہوں بلکہ غیرت مندوں کی طرح اپنا فرض ادا کریں۔

کتاب میں امریکہ کی سیکڑوں یہودی تنظیموں کی تفصیلات موجود ہیں۔ کسی پاکستانی یونی ورسٹی میں اس طرح کے موضوع پر ریسرچ ہو کہ اسرائیل سے پاکستان کو کیا خطرات لاحق ہو سکتے ہیں' تو شاید یہودی ذہن کو سمجھنے میں یہ کتاب مدد دے گی۔

یہودی کے ساتھ "سازش" کا لفظ ذہن میں آتا ہے۔ اس کا تذکرہ امت مسلمہ کے بعض خیر خواہ اس انداز سے کرتے ہیں جیسے کوئی پتا بھی یہودی سازش کے بغیر نہیں ہلتا۔ اس سے قوت عمل' انگیز ہونے کے بجائے ٹھٹھر جاتی ہے۔ اس کتاب کی یہ خوبی ہے کہ اس میں اس طرح کا انداز نہیں' بلکہ کھلے کام بیان کیے گئے ہیں جو' اگر چاہیں تو' ہم بھی کر سکتے ہیں۔ (مسلم سجاد)

عورت : حیثیت ' خاندانی کردار اور تعلیم : پروفیسر سید محمد سلیم۔ ناشر: ادارہ تعلیمی تحقیق ۷۴۔ ایبک پارک' ۳۔ بہاول شیر روڈ لاہور۔ صفحات: ۱۴۴۔ قیمت: درج نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت دونوں کو بہترین جسمانی خلقت اور اعلیٰ ترین صلاحیتوں اور قوتوں سے نوازا ہے تاکہ دونوں باہمی اشتراک و تعاون سے نسل انسانی کی بقا و ترقی کے لیے کوشاں ہو سکیں۔ تاہم تخلیق کائنات کے عظیم الشان منصوبے میں دونوں کے کردار کی نوعیت کے مطابق ان کے دائرہ عمل کو معین کر دیا ہے لیکن حیوانی اور مادہ پرست تہذیبوں نے عورت کو ہمیشہ اس کے فطری دائرہ کار سے باہر نکال کر اسے محفل آرائی' لذت اندوزی اور شہوت انگیزی کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ آج مغرب میں آزادی نسواں یا مساوات مرد و زن کے پرفریب نعرے اور تحریکیں اسی نقطہ نظر کے تحت فروغ پذیر ہیں۔ مغربی ذرائع ابلاغ کی پر زور سعی اور بڑی طاقتوں کی گہری سازشوں کی بدولت مشرقی ممالک خصوصاً مسلمان معاشروں میں بھی ان تحریکوں کے زہریلے اثرات پھیل رہے ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ مسلمان خواتین آزادی و مساوات کے پرفریب نعروں سے متاثر ہو کر یہ جاننے کی کوشش نہیں کر رہیں کہ وہ غیر فطری اور مصنوعی طرز زندگی اپنا کر کس تباہی کو دعوت دے رہی ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ اکثر مسلمان ممالک کے حکمران طبقے اور نام نہاد دانش ور بھی مغربی عزائم کی تکمیل میں ممد و معاون ثابت ہو رہے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں عورت کی حیثیت' اس کے خاندانی و معاشرتی کردار اور اس کی تعلیم و

تربیت کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کے حیات افروز پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

کتاب کے فاضل مصنف پروفیسر سید محمد سلیم پاکستان کے معروف دانش ور ہیں۔وہ علمی و تحقیقی مزاج رکھتے ہیں 'انھوں نے نہایت مدلل 'موثر اور جامع انداز سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلامی تعلیمات عورت کی ہمہ جہتی ترقی اور اس کی اخروی کامیابیوں نیز تہذیب انسانی کے ارتقا کی ضامن ہیں۔کتاب کے مباحث کی ترتیب و تنظیم بہت عمدہ ہے۔اور اس حوالے سے موضوع زیر بحث پر ایک مفید اضافہ ہے تاہم کمپوزنگ کی بکثرت غلطیاں اگر درست کر لی جاتیں تو بہت اچھا ہوتا۔ (ڈاکٹر رحیم بخش شاہین)

نوشتہ دیوار : اعجاز احمد فاروقی۔ناشر: ادارہ مطبوعات سلیمانی' غزنی سٹریٹ اردو بازار' لاہور۔
صفحات: ۱۶۸۔قیمت: ۵۴ روپے۔

معروف افسانہ نگار اعجاز احمد فاروقی کا یہ مجموعہ چودہ کشمیر کہانیوں پر مشتمل ہے۔"نوشتہ دیوار" کی تلمیح عہد نامہ قدیم سے اخذ کی گئی ہے۔فاروقی کا کہنا ہے کہ حال ہی میں سوویت یونین نوشتہ دیوار پڑھ چکا ہے اور اس سے قبل شاہ ایران بھی۔اب بھارت کے کانوں میں بھی اس کی بھنک پڑ چکی ہے "جبھی اس کی مت ماری گئی ہے"۔وہ کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ کہتا ہے "لیکن یہ کیسا اٹوٹ انگ ہے کہ جو مان کر ہی نہیں دیتا کہ وہ بھارت کا اٹوٹ انگ ہے اور اس اٹوٹ انگ کو اٹوٹ انگ رکھنے کے لیے اس کو چھ لاکھ فوج کی ضرورت پڑ چکی ہے"۔

زیر نظر افسانوں اور کہانیوں کے کردار غلامی کی اندھیری رات میں چمکتے دمکتے ستاروں سے بھی زیادہ روشن ہیں۔مجاہدین اور ان کے متعلقین کا "شرارہ ایمان" اس راستے پر چلنے والوں کے لیے نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ان سب کی تمنائے کبیر شہادت کی موت ہے۔ان میں میجر گل حمید جیسے کردار بھی ہیں جو قلب ماہیت کے بعد شہادت کی مراد کو پا گئے اور ناہید ترابی جیسی لیڈی ڈاکٹر بھی جس نے بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے سکالرشپ کو ٹھکرا کر کشمیر کی جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔مینا دیوی بھی' جو اب سلمٰی خانم ہو چکی ہے۔اسی طرح رشید احمد ترابی جیسا محبّ وطن بھی جس کے بارے میں یہ جملہ مشہور تھا کہ وہ "پہلے تو کشمیر میں رہتا تھا اور اب کشمیر اس میں رہتا ہے"' اور علی احمد شاہ بھی جس کا چھیتا بیٹا شہید ہو گیا تو اس کے رفقائے کار اس کی زبان سے یہ سن کر حیران رہ گئے "اس نے اپنی امانت بہت ذی شان انداز میں واپس لے لی ہے"۔

"ونڈ سکرین پر تارکول"' "ظل جبرئیل" اور "بحر ظلمات میں چھلانگ" قدرے مختلف قسم کے افسانے ہیں۔ظالموں پر افتاد پڑتی ہے تو قدرتی طور پر مظلوموں کو احساس تسکین ہوتا ہے۔

فاروقی بات کہنے اور کرنے کا ایک خاص سلیقہ رکھتے ہیں۔ ان کہانیوں میں زندگی کی معنویت' حلال و حرام کی تمیز' فلسفہ شہادت' وساوس شیاطین جیسے موضوعات پر معنی خیز اور منطقی گفتگو ملتی ہے۔ فاروقی نے یہ کہانیاں موضوع میں ڈوب کر لکھی ہیں۔ اس کے بقول ''ان کہانیوں کے اصل مصنّفین بھی مجاہدین مقبوضہ کشمیر ہی ہیں''۔

کشمیر جیسے بڑے المیے پر ہمارے قلم کاروں نے بہت تھوڑا لکھا ہے' خصوصاً اردو افسانہ تو اس باب میں ابھی خاصا تہی دامن ہے' اس اعتبار سے اعجاز فاروقی کا یہ مجموعہ افسانے کی خشک صحرائی زمین پر ایک خوشگوار چھینٹے کی حیثیت رکھتا ہے۔ معاصر پاکستانی افسانہ نگار' اگر ''نوشتہ دیوار'' کو فرض کفایہ نہ سمجھ لیں تو یہ ان کی غیرت ملی و قومی' بلکہ غیرت ادبی کے لیے تازیانہ ثابت ہو سکتا ہے۔ ''پیش کر غافل' عمل کوئی اگر دفتر میں ہے''۔ (ر - ہ)

ایک مسافر' وادی دل میں : جیلانی' بی اے۔ ناشر: القمر انٹرپرائزز' اردو بازار' لاہور۔ صفحات: ۱۵۹۔ قیمت: ۸۰ روپے۔

جیلانی بی اے' جماعت اسلامی کے دیرینہ رکن تھے۔ جماعت میں وہ مختلف ذمہ دارانہ مناصب پر فائز رہے۔ خدمت خلق کے جذبے سے سرشار ایک سماجی کارکن کی حیثیت سے کام کیا۔ آخری زمانے میں ان کا رول ایک بااصول صحافی کا رہا۔۔۔ مگر راقم کے نزدیک ایک ادیب' اور افسانہ نگار کے طور پر ان کی حیثیت بہت منفرد اور سب سے اہم ہے۔۔۔ وہ ہمارے عہد کے معدودے چند خوب صورت نثر لکھنے والوں میں سے تھے۔

اس مجموعے کی بیشتر تحریریں صنف افسانہ کے زمرے میں آتی ہیں۔ بلاشبہ جیلانی' کہانی کے فن اور تکنیک سے پوری طرح واقف ہے مگر اس پر مستزاد اس کے ہاں وہ خاص بات جسے جناب نعیم صدیقی نے بایں الفاظ بیان کیا ہے: ''اس کی کہانیوں میں یونانی حکما کے نکات' روسی تجزیہ معاشرہ' فرانسیسی پیچیدگی اور باریکی نکات اور اقبال اور مودودی کے اسرار و رموز' ان کے ساتھ دیہاتی زندگی کے سادہ مگر پرخلوص رویے' جدید تہذیب کے ٹیڑھ یہ سب کچھ گھلا ملا ہے''۔۔۔ ان افسانوں میں لکھنے والے کا سوز و گداز' اخلاقی احساس' فلسفیانہ اپروچ' استعجاب انگیز سوالات' تفکر انگیز تجسس اور باطنی اضطراب' ایک مختلف انداز میں سامنے آتا ہے۔

مرتبین نے ان تحریروں کو بلاشبہ محنت سے جمع کیا ہے مگر بے حد افسوس ہے کہ ان کا مآخذ اور زمانہ تحریر نہیں بتایا۔ جیلانی کے ذہن و فکر کے مطالعے کے لیے یہ ازبس ضروری تھا۔ زیر نظر جملہ

تحریروں کو "افسانے" قرار دینا جیلانی سے انصاف نہ ہوگا۔ "نوید بہار" ہجرت رسول ؐ کا واقعہ ہے۔ چند نظارے محض ایک بیانیہ ہے، موجودہ ماحول اور نظام تعلیم پر بے اطمینانی کا ایک تاثر--- آخری خاکہ نما تحریر کا موضوع سید مودودی کی شخصیت ہے۔ ان غیر افسانوی تحریروں میں بھی جیلانی کا مخصوص اسلوب اور بانداز دگر بات کرنے کا ڈھنگ نمایاں ہے مثلاً: ۱۹۴۲ میں پہلی مرتبہ مجھے محسوس ہوا کہ گرمی حیات کیا ہوتی ہے؟ ۱۹۴۳ کے اجتماع دارالاسلام میں شرکت کے لیے جب میں گھر سے چلا تو یوں محسوس ہو رہا تھا گویا دنیا و مافیہا سب کچھ ہیچ ہے۔ میری زندگی میں مولانا داخل ہوئے تو مجھے یوں لگا جیسے تاریک کوٹھڑی کا دریچہ کھل گیا ہو اور سیاہی میں لپٹی ہوئی ہر چیز نمایاں ہوگئی ہے۔ پھر درد و سوز کے معنی بھی ابھر آئے۔ معلوم ہو گیا کہ جدوجہد اور حرکت کیا ہوتی ہے۔ لوگ کہتے تھے تم پاگل ہو گئے ہو، لیکن یہی پاگل پن، زندگی بلکہ حاصل زندگی تھا"۔ ایک مثال اور: "اب میری ہڈیوں میں ٹھنڈک اتر چکی ہے اور میں اس درخت کے مشابہ ہوں جو اپنی استعداد کے مطابق پھل دے کر کٹنے کا منتظر ہو۔ میں نے جو کچھ بھی کیا تاریخ کے بحر بے کراں میں اس کی حیثیت صحرا میں ریت کے ذرے سے بھی کم ہوگی۔ میں مر گیا تو چند برس بعد شاید میری قبر کا نشان بھی نہ ملے، لیکن نسلیں اس وقت بھی تفہیم القرآن پڑھ رہی ہوں گی"۔ (ر - ہ)

پیغمبر عالم ؐ: مولانا عبد المبین منظر۔ ادارۃ البحوث الاسلامیہ، جامعہ سلفیہ، بنارس۔ صفحات: ۸۶۷۔ قیمت: درج نہیں۔ محنت سے تیار کردہ سیرت نگاری کے زریں سلسلے کی ایک تازہ کڑی۔ دیباچہ نگار مولانا عبدالرؤف رحمانی کے بقول، مولف نے واقعات کی تحقیق اور سنین کے تعین میں پوری عرق ریزی فرمائی ہے۔

عورت کو میراث سے محروم رکھنا ظلم ہے: مولانا محمد یوسف قریشی۔ موتمر المصنفین، جامعہ اشرفیہ، پشاور۔ صفحات: ۳۲۔ قیمت: درج نہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک مفید کوشش۔ مولف نے تعجب کا اظہار کیا ہے کہ کچھ لوگ نماز، حج اور چلوں کا اہتمام کرتے ہیں، مگر دو باتوں میں شریعت کا پاس نہیں کرتے، اول: محلات کی تعمیر میں مسرفانہ اور ظالمانہ اخراجات، دوم: اللہ کے احکام کو ٹھکراتے ہوئے وراثت میں عورتوں کو حصہ۔